ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.3,Issue No.3(2021)
(July to September)

پروفیسر ممتاز حسین:اردو تنقید کے نظری مباحث اور مارکسی جمالیات کے تناظر میں

Prof. Mumtaz Hussain: In the Context of Theoretical Discussions of Urdu Criticism and Marxist Aesthetics

محمد شوکت علی

لیکچرار، شعبہ اُردو، اسپائر کالج، مناواں، لاہور

Abstract:

This article discusses the theoretical and Marxist aesthetics of Urdu criticism with reference to Prof. Mumtaz Hussain. Theoretical discussions of criticism are of great importance in Urdu literature. His critical tendency is based on progressive ideas and thoughts in which the commentary with human beings in the society has been highlighted. At the same time, the welfare, stability, tolerance, brotherhood, empathy and moral aspects of the society have also been clarified. Literature is related to social life and life is related to literature. He urged to present the bright aspects of life in literature. According to him, human nature keeps changing and this is possible only when there is a change in the external world. It is also very important to develop human consciousness. Human consciousness affects life both externally and internally. The factor of materiality plays a major role in their influence, which changes in the form of observations and experiences over time in life. It also affects human consciousness, human values, traditions and moral values. A comparative study of progressive literature and romantic literature is also presented here. Economics, sociology, politics, the class system and dialectics in society have been clarified under the Marxist point of view and the communist system.

Key words: Urdu criticism, Theoretical discussions, Marxist aesthetics, Progressive ideas, Human beings, Human consciousness, Urdu literature.

پروفیسر ممتاز حسین (۱۹۱۸ء۔ ۱۹۹۲ء) اردو ادب میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے ادبی سفر کا آغاز افسانہ نگاری سے کیا۔ ان کا پہلا افسانہ "مصور کی شکست" الہ آباد یونیورسٹی کے سالانہ میگزین میں ۱۹۳۸ء میں شائع کیا گیا۔ مستقل طور پر افسانہ نگاری کو اختیار نہیں کیا بلکہ ان کا رجحان تنقید نگاری کی طرف زیادہ رہا۔ تنقیدی فکر ہی ان کے ادبی مقام کو اجاگر کرتی ہے۔ تنقیدی میدان میں شعرا کی زندگی اور شاعری سے متعلق مستقل کتابیں بھی شائع ہوئیں۔ ان کی اہم تنقیدی کاوشوں میں "نقد حیات"، "نئے تنقیدی گوشے"، "باغ و بہار"، "ادب اور شعور"، "غالب ایک مطالعہ"، "نقد حرف"، "حالی کے شعری نظریات (ایک تنقیدی مطالعہ)"، "ادب اور روح عصر" اور "مارکسی جمالیات" قابل ذکر ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں اردو تنقید کے نظری اور مارکسی جمالیات کے مباحث کو پروفیسر ممتاز حسین کے نظریات و تصورات کی صورت میں نمایاں کیا گیا ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین کے اردو تنقید کے نظری مباحث اردو ادب میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان کا تنقیدی رجحان ترقی پسند نظریات و خیالات پر مبنی ہے۔

ان کا نظریہ تنقید سماج میں انسانوں کے ساتھ کمنٹ منٹ کا ہے۔ وہ معاشرے کی فلاح و بہبود، استحکام، رواداری، بھائی چارے، ہمدردی اور اخلاقی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ تنقید کے دو پہلو میں ایک مثبت اور دوسرا منفی ہے۔ ممتاز حسین اول الذکر کو عیاں کرنے کی کوشش میں ہمہ تن گوش رہتے ہیں۔ ادب کا تعلق سماجی زندگی سے ہے اور زندگی کا رشتہ ادب کے ساتھ منسلک ہے۔ وہ ادب برائے زندگی کے قائل ہیں اور ادب میں زندگی کے روشن پہلوؤں کو پیش کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں انسان کی فطرت بدلتی رہتی ہے اور یہ تبھی ممکن ہوتا ہے جب خارجی دنیا میں تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ انسانی شعور کا نمو پانا بہت ضروری ہے پروفیسر ممتاز حسین لکھتے ہیں:

> "انسانی شعور دو طرح سے ہماری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے ایک تو خارجی حیثیت سے اور دوسرے داخلی حیثیت سے۔ پہلی بات تو یہ کہ شعور اپنے وجود کے لیے صرف مادی حقائق کا منت پذیر ہے۔ اس کا لطیف ترین احساس اور شعور اسی مادی زندگی کے مشاہدات اور ان کی ترتیب کا نتیجہ ہے کبھی تو یہ صرف ترتیب شدہ مشاہدات اور تجربات کو ایک نئے تغیر کے ساتھ پیش کرتا ہے جو بالعموم سماجی اصلاحات کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور کبھی یہ حقائق کے روابط بالکل ہی بدل دینا چاہتا ہے۔ جو ایک انقلاب کی شکل میں رونما ہوتے ہیں۔"(۱)

ممتاز حسین کے نزدیک انسانی شعور زندگی پر خارجی اور داخلی دونوں طرح سے زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ان کے اثر انداز ہونے میں مادیت کے عنصر کو بڑا دخل ہے جو زندگی میں وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مشاہدات اور تجربات کی صورت میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اور انسانی شعور میں بھی بتدریج تبدیلی رونما ہوتی رہتی ہے۔ جس سے انسانی اقدار و روایات اور اخلاقی قدروں پر بھی اثر پڑتا ہے۔ وہ معاشرے میں طبقاتی نظام پر روشنی ڈالتے ہیں اور معاشرے میں امیر، غریب، بادشاہ اور گدا کے تضادات کو پیش کرتے ہیں۔ اس سے ان کے اخلاقی نظریہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین لکھتے ہیں:

> "انسان نہ تو دراوڑی ہے نہ آریائی اور نہ سامی، یہ تو ہر نسل کو توڑتا ہوا، اعتقادات اور تعصبات کی بنیاد ڈھاتا ہوا صرف عقل کی روشنی میں بڑھتا رہا ہے۔ اس نے شریعت کو بھلا کر انسانی شریعت کا سراغ لگایا ہے۔"(۲)

ممتاز حسین انسان کی عظمت اور رتبے کو وسیع معنوں میں قائم کرنے کے خواہاں ہیں۔ وہ رنگ و نسل کو پس پشت ڈال کر انسانی اقدار اور قدروں کو سارے عالم انسانی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ ان کی نظر میں انسان تمام فرقہ وارانہ تعصبات سے الگ ہو کر امن و شانتی کا گہوارہ ہو، نفرت، تعصب، بغض، ظلم و ستم اور بربریت سے آزاد ہو، اور انسان نے زندگی کی ابتداء سے ہی ان ناسور چیزوں کے خلاف آواز اٹھائی ہے اور جو جو چیزیں اس کی آزادی کو سلب کرتی ہیں ان قوتوں کے خلاف آزادی کا جھنڈا بلند کیا ہے۔ ممتاز حسین معاشرے میں تمام تعصبات کو ختم کرنے کے قائل ہیں۔ وہ معاشرے میں انسانی شعور کو اجاگر کرنے کی سعی کرتے ہیں اور کائنات کے تمام انسانوں کے فلاح و بہبود کو قائم کرنے کے قائل ہیں سب کو ایک ہی نظر سے دیکھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اردو ادب میں وہی شعراء ان کی نظر میں قابل قدر ہیں۔ جنھوں نے انسانی عظمت کو اجاگر کیا جن کے کلام میں سماجی زندگی حقیقت اور عوام کی زندگی کا نچوڑ کارفرما ہے۔ غالبؔ، حالیؔ، اقبالؔ اور نظیر اکبر آبادی جیسے شعراء نے ان کو زیادہ متاثر کیا ہے جب کہ ذوقؔ اور ناسخؔ جیسے شعراء ان کو متاثر نہ کر سکے۔ انھوں نے حالیؔ کو پہلا ترقی پسند ناقد کہا ہے کیوں کہ حالیؔ نے ادب اور زندگی میں رشتہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔

ممتاز حسین نظریاتی طور پر ترقی پسند ادب کو قدر کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔ ان کی نظر میں ہر وہ ادب جس سے شاعر اور ادیب نے سماجی زندگی کے مثبت کردار کو اجاگر کیا ہے اور جمہوری قدروں کو پروان چڑھایا ہے خواہ وہ ادب قدیم ہے یا جدید دور سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر اس میں انسانی قدروں کی فلاح و بہبود کا عنصر موجود ہے وہ ترقی پسند ہے۔ وہ قدیم ادب سے ترقی پسند ادب کی کھوج لگانے کی کوشش کرتے ہیں اور اگر ان کو زندگی سے مربوط ادب جس سے انسان کی شعوری قوتوں میں اضافہ ہو، اس کی وہ قدر کرتے ہیں اور اسے رجعت پسند نہیں کہتے بلکہ ان کے یہاں وہ ادب رجعت پسند ہے۔ جس سے زندگی میں کوئی فائدہ حاصل نہ ہو، اور جس کا سماجی زندگی سے کوئی سروکار نہ ہو، ایسا ادب رجعت پسند ہے۔ ایسا ادب جس میں فرضی اور خیالی پلاؤ پکایا گیا ہو، مافوق الفطرت عناصر پر زور دیا گیا ہو، وہ رومانوی ادب کے زمرے میں آئے گا۔ ممتاز حسین نظریاتی طور پر رومانوی ادب کو برا نہیں کہتے ہیں بلکہ وہ رومانوی ادب جس میں زندگی کے مثبت پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے وہ ادب ممتاز حسین کے نزدیک بہت ممتاز ہے اور وہ اسے اپنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے یہاں یہ نظریہ غلط ہے کہ ترقی پسند ادیب صرف ترقی پسند ادب کے ہی قائل ہیں اور رومانوی ادب کو بہت برا سمجھتے ہیں بلکہ وہ رومانوی ادب سے کام کے ادب کو چن لینا چاہتے ہیں جس میں زندگی سے ہم آہنگی موجود ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین لکھتے ہیں:

> "دنیا کا وہ سارا ادب زندہ رہے گا جس نے انسان کو فطرت کے جبر، انسان کے جبر اور زندگی کے غلط تصورات سے آزاد ہونے میں مدد پہنچائی ہے۔"(۳)

پروفیسر ممتاز حسین کے نزدیک وہ ادب ہمیشہ قائم و آباد رہے گا جس نے انسانوں کی ظلم و جبر کے خلاف رہنمائی کی ہے اور وہ ادب جس نے اس کے برعکس کام کیا ہے، وہ کسی شاعر یا ادیب نے شعوری طور پر یا پھر غیر شعوری طور پر تخلیق کیا ہے، وہ بقائے دوام حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ یونانی اور یورپی ادب جس میں سماج سے ہم آہنگی کا عنصر موجود ہے، وہ آج بھی ادبی نصاب کی زینت بنا ہوا ہے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھایا جاتا ہے اور جس ادب کا زندگی سے کوئی سروکار نہیں ہے وہ صرف تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔

ممتاز حسین نظریاتی طور پر معاشرے میں اقتصادیات، سماجیات اور سیاسیات پر زور دیتے ہیں۔ معاشرے میں معاشی فیکٹر انسانی زندگی میں ایک اہم رول ادا کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے معاشرے میں طبقاتی نظام اور جدلیت کو فروغ ملتا ہے۔ اس طرح ممتاز حسین مارکسی اور اشتراکی نظریہ سے بہت قائل نظر آتے ہیں۔ وہ مارکسی نقطہ نظر اور اشتراکی نظام کا تاریخی طور پر تجزیہ کرتے ہیں، اس کی خوبیوں اور خامیوں کی نشاندہی کرتے ہیں۔ ان کی نظر میں سائنس کی ترقی نے جہاں معاشرے میں مادی ترقی کو فروغ دیا ہے وہاں انسانوں کے ذریعہ معاش کو بھی تنگ کیا ہے۔ سائنس نے سرمایہ دارانہ نظام اور جاگیر دارانہ نظام کو پیداواری طور پر زیادہ منافع دیا ہے اور مزدور کی اجرت کو کم اور اس کا استحصال کیا ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین لکھتے ہیں:

> "سرمایہ دارانہ نظام نے جاگیر دارانہ نظام کے دستکاری کے آلات کو بھاپ اور بجلی کی طاقت سے مشینوں میں بدل دیا اس نے اپنے اس تاریخی کارنامے کو انجام دیا۔ لیکن اس ترقی کے باوجود ہم نے دیکھا کہ اس سے انسانی معاشرے کی برائیاں دور نہ ہوئیں۔ کتنی حیرت کی بات ہے کہ باوجود اس بات کے کہ جاگیر دارانہ عہد کے مقابلے میں سرمایہ دارانہ نظام میں پیداوار کئی گنا بڑھ گئی پھر بھی سماج کا ایک بہت بڑا حصہ اس پیداوار سے محروم رہتا ہے۔ نہ کھانے کو غلہ اور نہ پہننے کو کپڑا ملتا ہے۔ ایسا کیوں ہے کہ پیداوار کے امکانات کے وسیع ہو جانے اور پیداوار کے بڑھ جانے کے باوجود ہر چیز کی قلت اگر

بازار میں نہیں تو اپنے گھر میں تو ضرور محسوس ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سرمایہ دار طبقے نے سائنس اور انسانی معاشرے کی بہبود کے لیے استعمال نہیں کیا۔"(۴)

ممتاز حسین سائنسی نقطہ ء نظر رکھتے ہیں اور سائنس کو مادی ترقی اور پیداواری قوتوں میں اضافہ کا باعث سمجھتے ہیں، لیکن وہ سائنس کو انسانی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرنے کے قائل ہیں۔ اگر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو سائنس نے انسانی زندگی میں بہت سی سہولیات پیدا کیں ہیں اور انسان نے سائنس کے ذریعے بہت سی مشینیں ایجاد کیں ہیں۔ یہاں تک کے انسان نے چاند کا سفر بھی کر لیا ہے۔ وہ زمین کے علاوہ دوسرے سیاروں پر بھی زندگی کے مواقعوں کی تلاش میں لگا ہوا ہے۔ سائنس نے ایٹم بم بنایا ہے جس سے تخریب کاری کا رجحان پیدا ہوتا ہے اور ترقی یافتہ ملک دوسرے کمزور ملکوں پر اپنے رعب و دبدبے کو قائم کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ جیسا کہ امریکہ نے اپنے سپر پاور ہونے کی وجہ سے دنیا میں ظلم و ستم کا بازار گرم کیا ہوا ہے اور دوسرے ملکوں میں دہشت گردی کے رجحان کو پیدا کیا ہوا ہے۔ اس نے اپنی اجارہ داری قائم کرنے کے لیے دوسرے ملکوں میں تباہی مچائی ہوئی ہے۔ ممتاز حسین سائنس کے اس طرح کے رجحان سے بے زار ہیں۔ وہ ایٹم بم کو تخریب کاری کے لیے استعمال کرنا نہیں چاہتے بلکہ اس سے انسانی فلاح کے کاموں میں استعمال کے حق میں ہیں۔ اسی طرح سائنس نے پیداواری قوتوں میں اضافہ کیا ہے۔ جاگیر دارانہ نظام نے اس سے زیادہ فائدہ حاصل کیا ہے اور کسان کو اس کی محنت کا پھل نہیں دیا جاتا ہے۔ جس کا وہ مستحق ہے اور سرمایہ دارنہ نظام نے فیکٹریوں میں نئی نئی مشینوں کے استعمال سے بہت منافع حاصل کیا ہے اور زیادہ لوگوں کا نقصان کیا ہے۔ ممتاز حسین اس طرح کی سائنسی ترقی کے قائل نہیں ہیں بلکہ وہ سائنس کو عام انسانوں کی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کرنے کی تلقین کرتے ہیں جس سے سماجی زندگی میں خوشحالی اور آسودگی پیدا ہو اور کسان اور مزدوروں کو اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔ اگر سائنس کو انسانی فلاح و بہبود کے لیے استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے معاشرے میں ترقی رونما ہوتی ہے اور سائنسی علوم کے بارے میں جو بھی ادب تخلیق کیا جاتا ہے وہ ترقی پسند ہے اور اس کے بر خلاف ممتاز حسین رجعت پسند رجحان کے بارے میں تحریر کرتے ہیں:

"اگر ہمارا ادب اپنے وقت کی مادی جستجو اور مادی علوم کے مخالف ہے تو وہ رجعت پسند ہے۔ اگر وہ انسان کو اپنی تخلیقی قوتوں میں مجبورِ محض ثابت کرتا ہے تو وہ رجعت پسند ہے۔ اگر ہمارا ادب ایک مخصوص عہد کے معاشرتی قانون کو ازلی اور ابدی ثابت کر کے انسانوں کو آگے بڑھنے سے روکتا ہے تو وہ رجعت پسند ہے۔"(۵)

ممتاز حسین کے مذکورہ بالا اقتباس سے ان کے رجعت پسند ادب کے بارے میں نظریے کی وضاحت ہوتی ہے۔ جو ادب مادی علوم کا مخالف اور انسان دوست نہیں ہے رجعت پسند ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین نئے اور پرانے ادب کے ضمن میں نقطہ ء نظر پیش کیا ہے:

"نئے اور پرانے کی جنگ ہر ملک اور سماج میں ہوتی رہتی ہے۔ دنیا کی تاریخ خود اپنے ملک کی تاریخ پر روشنی ڈالتی ہے۔ بین الاقوامی ادب کا مطالعہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ اپنے ادب اور اپنے مخاطب کو سمجھنے میں آسانی ہو۔ لیکن جب اپنے ملک کے مظلوموں اور محکوموں کو ایک نئے مرحلہ زیست کی طرف اکسانا ہوتا ہے تو اس تعلیم سے فائدہ اٹھا کر نئی حقیقت کو اسلاف کے محبوب لباس میں پیش کیا جاتا ہے۔ چوں کہ حقیقت اور اظہار کا رشتہ جدلیاتی ہے اس لیے نئی حقیقت کے آنے سے پرانا لباس بھی بدل جاتا ہے، لفظوں میں نیا معنی، تشبیہوں میں نئی قوت اور استعاروں میں نئی زندگی پیدا ہو جاتی

ہے۔ کسی بھی فنکار کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ وہ پرانی صورت کو ایک نیا روپ دے عوامی ادب اور سنگیت کے بہت پرانے فارم انھیں معنوں میں اپنائے گئے ہیں۔"(۶)

ممتاز حسین ادب کا عالمی سطح پر مطالعہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور جس سے اپنے ادب کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ وہ ادب میں نئے معنوں، تشبیہوں اور استعاروں کی مدد سے حقیقت کو ابھارنے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ وہ ادب میں صورت کی نسبت معنی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ادب صورت سے حسن کا پیکر نہیں ہوتا بلکہ معنی سے حسین تو ہو جاتا ہے۔ بین الاقوامی ادب کے مطالعے سے اپنے ملک کے ادب کو جانچنے میں آسانی ہوتی ہے اور وہی ادب پر معنی ہے جس میں مظلوم اور محکوم کے شعور کو اجاگر کیا گیا ہے۔ ممتاز حسین کے نزدیک ادب شاعری میں ہو یا نثر میں، وہ ادب کی ظاہری صورت کو نہیں دیکھتے ہیں بلکہ وہ تو الفاظ کی معنویت پر زور دیتے ہیں اور الفاظ میں سماجی زندگی کی حقیقت کو واضح کرنے کا نظریہ پیش کرتے ہیں۔ وہ سماجی زندگی میں حقیقت محنت اور سرمایہ کے تضاد میں دیکھتے ہیں۔ حقیقت کسان اور زمیندار کی جنگ ہے۔ ان کے نزدیک حقیقت عام انسانوں کی اقتصادی جدوجہد اور غلامی کے خلاف جنگ ہے اور حقیقتیں زندہ اور متحرک ہیں۔ ممتاز حسین "ماضی کے ادب عالیہ سے متعلق" مضمون میں ان تمام ادیبوں، شاعروں اور نقادوں کے ادبی فن پاروں کو ترجیح دیتے ہیں، جن میں زندگی کی کارفرمائی شامل ہے اور حال و مستقبل کے لیے روشن خیالی کے راستے متعین کیے ہوئے ہیں۔ یونانی، یورپی، فارسی، عربی اور اردو کے عظیم ادب اور ادیبوں کے جوہر کو اجاگر کرتے ہیں۔ جنھوں نے انسانی شعور، سماجی زندگی اور انسان دوستی کے لیے بھرپور ادب تخلیق کیا ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین شعور کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

"شعور، زندگی کا ایک ایسا مظہر ہے جو زندگی سے متعین بھی ہوتا ہے، لیکن زندگی سے ممیز ہو کر زندگی پر اثر انداز بھی ہوتا ہے۔ شعور اور زندگی، دونوں مل کر ہی زندگی کی وحدت بناتے ہیں۔ شعور کا گراف زندگی کے متوازی نہیں چلتا کہ یہ کہا جائے کہ یہ زندگی کا عکس محض ہے۔ شعور کبھی زندگی سے پیچھے، تو کبھی آگے بھی رہتا ہے۔ لیکن وہ زندگی کے ہم قدم لگا ضرور رہتا ہے۔ انسانی ذہن کو جذبات کو اپنی گرفت میں لے کر زندگی کو بدلتا بھی ہے۔"(۷)

ممتاز حسین کے نقطہ نظر سے شعور زندگی کے متوازی نہیں چلتا ہے بلکہ یہ کبھی آگے تو کبھی پیچھے رہتا ہے، لیکن پھر بھی زندگی کے ساتھ اس کا گہرا تعلق ہے۔ انسانی زندگی میں مادی طور پر بہت سی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں اور انسان ان کی کشمکش میں ان سے جھگڑتا رہتا ہے جس سے شعور میں بھی پرانے سے نئے کی طرف رجحان پیدا ہوتا رہتا ہے۔ شعور میں نئے خیالات، نظریے اور نصب العین پیدا ہوتا رہتا ہے۔ ممتاز حسین کے خیال میں شعور زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ ادب جہاں انسان کے رشتوں کو پیش کرتا ہے وہاں وہ انسان، اشیا اور کائنات کے رشتے کو بھی پیش کرتا ہے۔ ادب ماضی، حال اور مستقبل تینوں زمانوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ ادب کا کام ہر زمانے کے لیے زندگی کے روشن پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔ ادب کسی بھی صنف میں ہو، شاعری ہو یا ڈراما، افسانہ ہو یا کوئی اور صنف، ان تمام ادبی تخلیقات میں زندگی کی شعوری کیفیات نہیں ہیں تو ممتاز حسین کے خیال میں وہ صنف ادب، ادب سے خارج ہے۔ وہ اصناف ادب میں اس دور کی حقیقت پسندی کے اظہار کو پیش کرنے کے قائل ہیں جس دور میں وہ ادب تخلیق کیا گیا ہے پروفیسر ممتاز حسین اس ضمن میں رقم طراز ہیں:

"ادیب حقیقت کو اُس کی تاریخی حرکت میں دیکھتے ہیں۔ وہ حال کو نہ تو برقرار رکھنے کی سعی کرتے ہیں اور نہ حال کی اصلاح ماضی سے کرنا چاہتے ہیں۔ کیوں کہ ماضی تو حال میں موجود رہتا ہے، بلکہ اس

> کے آگے بڑھنے والے رجحان کو دیکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ کوئی اپنا وضع کیا ہوا حل بھی اس پر مسلط نہیں کرتے ہیں بلکہ حقیقت بنیادی تضادات کو سلجھاتے ہوئے حل کی صورت کو متعین کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ آیڈیالوجیکل عنصر معصوم اور بے ضرر ادیبوں کی تخلیقات میں بھی ہوتا ہے خواہ وہ کتنا ہی نامحسوس اور کمزور کیوں نہ ہو۔ ایسی صورت میں ادبی تخیل جہاں ایک طرف حافظے سے استفادہ کرتا ہے، وہاں دوسری طرف علم اور شعور، اگت اور گیان سے بھی استفادہ کرتا ہے۔ اس کی تخلیق عصری شعور کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ وہ ایک مخصوص زمان و مکان کا ایک مخصوص ذہنی عمل اور قوتِ ارادی کا ایک مخصوص واقعہ ہوتی ہے۔"(۸)

ممتاز حسین کے نزدیک ادیب اپنے عصری دور کی حقیقت سے آشنا ہوتا ہے اور اپنی ادبی کاوشوں میں عصری شعور کو اجاگر کرتا ہے۔ انھوں نے اپنے نقطہ نظر کو شعوری طور پر اپنی تنقیدی کاوشوں میں پیش کیا ہے۔ ان کے تنقیدی مضامین میں شعور و آگہی کا پرچار بہت شدت سے کیا گیا ہے۔ شعور ممتاز حسین کے یہاں ایسی آئیڈیالوجی ہے جو انسانوں کے شعور میں ملتی ہے۔ شعور کا تعلق انسانیت سے جوڑا ہوا ہے، شعور کی تکمیل انسانیت کی تکمیل ہے۔

ممتاز حسین نظریاتی طور پر ادیب کی آزادی رائے اور عام آدمی کی آزادی کے قائل ہیں۔ انسان کی ساری آزادیاں، آزادی افکار کے زیر سایہ رونما ہوتی ہیں۔ انسان کا علم اور شعور اسے آزادی کی راہ پر گامزن کرتا ہے۔ انسان کی آزادی کے دو پہلو بہت اہم ہیں۔ فکر کی آزادی عمل کی آزادی سے اور عمل کی آزادی فکر کی آزادی سے گڈمڈ ہے۔ انسان کی آزادی کے لیے ان دونوں پہلوؤں کا آپس میں متحد رہنا ضروری ہے۔ آزادی رائے ہر فرد بشر کا حق ہے۔ پوری انسانیت ناطق و عاقل ہے جس طرح ادیب آزادی رائے کا اظہار کرتا ہے۔ وہ عام انسانوں سے زیادہ حساس، ذی شعور، دانا اور بینا ہوتا ہے، لیکن اسے وہ آدمی پہلے ہے اور ادیب بعد میں، اس کا ادب تاریخی نہ ہو بلکہ غم گسار ہو۔ ممتاز حسین ادیب کی آزادی رائے کو اس کے فن پارے میں عالم گیر اور آفاقی سچائی کو پیش کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ آزادی، حریت، سوفرنا، مروک، لبرٹی اور فریڈم یہ سارے الفاظ مختلف زبانوں میں آزادی کو واضح کرتے ہیں۔ پروفیسر ممتاز حسین ادیب کی آزادی رائے کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> "ادیب کی آزادی رائے، عوام کی آزادی رائے یا سارے انسانوں کی آزادی رائے پر مشروط ہے، کیوں کہ آزادی سماجی زندگی کا ایک روایتی ورثہ ہے نہ کہ طبعی زندگی کا کوئی پیدائشی عطیہ، انسان آزادی حاصل کرنے کی ممکنہ ذہنی صلاحیت بے شک فطرت ہی سے پاتا ہے لیکن چوں کہ وہ اپنی اس ممکنہ صلاحیت کو حقیقت میں تبدیل کرنے کا سماجی عمل، سماجی ذہن کے تعاون سے کرتا ہے، اس لیے آزادی اور آزادی رائے، دونوں ہی ہر فرد بشر کا حصہ ہیں اور یہ حق کسی بھی فرد بشر کو نہیں پہنچتا ہے کہ وہ دوسروں کی آزادی رائے کو بالادستی کے کسی نظام، یا بندوق یا سرمایہ یا اشتہار کی قوت سے دبائے۔"(۹)

ممتاز حسین کا آزادی رائے کا نقطہ نظر بڑا واضح ہے۔ آزادی حاصل کرنے میں فطرت کا عنصر بھی کار فرما ہے اور ہر فرد بشر کو آزادی کا حق حاصل ہے۔ آزادی کا یہ حق سماجی زندگی سے جڑا ہوا ہے اور معاشرے میں کسی کو حق حاصل نہیں ہے کہ وہ دوسروں کی آزادی کو سلب کرے اور اپنے راعب و دبدبے کو عام انسانوں پر حاوی کرے۔ ادب بنیادی طور پر حقیقت کا ایک تخلیقی روپ ہے اور عام انسانوں کی نسبت ادیب پر آزادی رائے حاصل

کرنے کی ذمہ داری عائید ہوتی ہے۔ ادیب آزادی رائے کا طالب ہی نہیں بلکہ خالق بھی ہونا چاہیے۔ ممتاز حسین کے خیال میں ادیب کبھی آزادی کی بھیک نہیں مانگتا ہے بلکہ آزادی حاصل کرتا ہے اور اس آزادی کے عمل کو سارے انسانوں میں تقسیم کرتا ہے۔ ممتاز حسین کے نظریات میں ادب، روایت، جدت اور جدیدیت کا عنصر عیاں ہے۔ ادب کو معاشرے کی تشکیل نو میں بڑا مقام حاصل ہے۔ وہ جدید اور جدید تر شاعری کو تقویت دیتے ہیں۔

پروفیسر ممتاز حسین اردو تنقید میں ترقی پسند نظریات و خیالات کے حامل ایک منفرد شخصیت کے مالک نقاد ہیں۔ ان کی تنقید میں نظریاتی اور عملی تنقید کے پہلو نمایاں اور واضح ہیں۔ ممتاز حسین اپنے تنقیدی نظریات میں مارکسی تنقید پر زور دیتے ہیں۔ مارکسی تنقید میں انھوں نے مارکسی جمالیات کو بھی بڑی دڑاکی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ ادب اور نظریہ میں توازن اور ان کے تقاضوں کے درمیان ربط پیدا کرنے کے قائل ہیں۔

ممتاز حسین نے ترقی پسند تنقید میں نظریاتی اساس کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی تنقیدی تحریروں میں ادبی تاریخ، سماجی اور تہذیبی عمل اور ردِ عمل کی پیشن گوئی ہے۔ انھوں نے زندگی کے نقطہ نظر سے ادب کا تجزیہ کیا ہے۔ انھوں نے اپنی تنقیدی کاوشوں میں تنقید کے بنیادی مسائل کو پیش کیا ہے۔ ادب میں استعارے، ماضی کے ادب عالیہ، غالب و امیر خسرو اور حالیؔ پر ان کی کتابیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کی تنقیدی کاوشوں میں مارکسی نقطہ نظر، طبقاتی شعور اور اس کے اثرات، اشتراکی نظام اور سماجی زندگی ادبی مطالعہ میں نمایاں ہیں وہاں ان کے یہاں فن کی ادبی و جمالیاتی قدروں کی بھی پیشن گوئی ہوتی ہے۔ وہ ادبی تنقید کو اصل ادب کی تنقید تصور کرتے ہیں اور ادبی تنقید ان کے یہاں زندگی کی تنقید کی صورت میں رونما ہوتی ہے۔

ترقی پسند نقادوں میں ممتاز حسین ایک منفرد نوعیت کے نقاد ہیں۔ انھیں صحیح معنوں میں مارکسی نقاد کہا جاسکتا ہے کیوں کہ انھوں نے دوسرے ترقی پسند نقادوں کی نسبت مارکسی نقطہ نظر کو خوب اپنایا ہے اور اس ضمن میں ان کا مطالعہ وسیع نوعیت کا ہے۔ دوسرے ترقی پسند نقادوں نے صحیح طرح مارکسی نقطہ نظر کو نہیں سمجھا اور انھوں نے ادب اور تنقید میں مسائل کو حل کرنے کی بجائے اور پیچیدگیاں پیدا کیں۔ جس سے ترقی پسند ادیبوں کو بہت نقصان اٹھانا پڑا۔ مارکسی نقطہ نظر کے بارے میں درست واقفیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ خود مارکسی فلسفے سے اکتا گئے۔ ممتاز حسین نے ترقی پسند نقادوں کی ان غلط تشبیہات کو دور کرنے کے لیے "ماضی کے ادب عالیہ سے متعلق" مضمون تخلیق کیا اور کافی حد تک انھوں نے ترقی پسند نقادوں کے مسائل کو حل کیا جو مارکسزم کے بارے میں پیدا ہو گئے تھے۔ انھوں نے مارکسزم کے فلسفے کو اپنے گہرے مطالعہ سے واضح کیا، جس میں انھوں نے مغربی اور مشرقی ادیبوں کے فلسفوں کی روشنی میں تاریخی دلائل سے اپنے موقف کو اجاگر کیا اور مارکسزم کے بارے میں مسائل اور پیچیدگیوں کو دور کیا۔ ممتاز حسین نے مارکسی نظریہ میں جہاں اقتصادیات، سماجیات اور سیاسیات سے سماجی زندگی کے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، انسانی طبقاتی نظام اور انسان کی شعوری قوتوں پر روشنی ڈالی ہے وہاں انھوں نے ادبی تنقید میں مارکسی جمالیات کو فنی اور ادبی طور پر بھی پیش کیا ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین جمالیاتی حظ کے ضمن میں لکھتے ہیں: "جب تک کوئی ذہنی تخلیق کسی شے کی حقیقت کو پیش نہ کرے، وہ جمالیاتی حظ کو بیدار نہیں کر سکتی ہے۔"(۱۰)

ممتاز حسین کے نزدیک جمالیات کا لفظ ہماری زبان میں انگریزی زبان کے لفظ Aesthetics سے آیا ہے۔ اس کا مفہوم یونانی ماخذ میں حسی ادارک کا ہے اور اسے حسیات کے لفظ کے طور پر بھی پیش کیا گیا ہے، جس کا مفہوم جمالیاتی ادراک کا ہے۔

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں

جمالیاتی حس (Sense) انسان کو حقیقت کی تلاش اور حقیقت کی کھوج لگانے کی نشاندہی کرتی ہے کہ شاعر یا ادیب نے ادب اور اپنے فن پارے میں کہاں تک حقیقت نگاری کو پیش کیا ہے۔ اس کے تخلیق کردہ کلام میں جمالیاتی حظ کہاں تک کارفرما ہے اور اس نے حقیقت کو زندہ اور مجسم صورت

میں پیش کیا ہے یا نہیں، یہ سب باتیں جمالیاتی حظ کے زمرے میں آتی ہیں۔ جمالیاتی حظ کا تعلق جہاں ذہنی تخلیق سے ہے وہاں مادی تخلیق سے بھی جوڑا ہوا ہے۔

تم　　میرے　　پاس　　ہوتے　　ہو　　گویا
جب　　کوئی　　دوسرا　　نہیں　　ہوتا

ممتاز حسین کے نزدیک اس طرح کے اشعار میں جمالیاتی حظ نہیں ہوتا ہے لیکن وہ یہ نہیں کہتے کے اس طرح کے شعر نہ لکھے جائیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس طرح کے اشعار کی قدر و منزلت ان کی نسبت کم ہے جن اشعار میں زندگی کے بنیادی مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔ اور حقیقت نگاری کو سماجی پس منظر میں اجاگر کیا گیا ہے۔ ہومر، دانتے، فردوستی، گوئٹے، پشکن اور شیکسپیئر وغیرہ اس قسم کے اشعار لکھ کر بڑے شاعر نہیں بنے بلکہ انھوں نے اپنی شاعری میں زندگی کے بنیادی مسائل کو پیش کیا ہے اور انسانی شعور کو ان مسائل کے حل کرنے میں مدد و معاون ثابت کیا ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین ادب کی افادیت اور جمالیاتی حظ کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

> "ادب کی افادیت اور جمالیاتی حظ میں کوئی خلیج نہیں ہے۔ وہ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو میں جو ایک دوسرے سے نہ جدا ہونے والی صورت میں موجود ہوتے ہیں۔ ایک وحدت کے رشتے میں پروئے رہتے ہیں اور گو ان میں سے دونوں کو الگ الگ سمجھا جاسکتا ہے لیکن اس کو سمجھنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ آپ پہلے ادب کی افادیت یا اس کے خیال کو سمجھیں۔ تبھی آپ اس کے جمالیاتی حظ پر روشنی ڈال سکتے ہیں۔"(۱۱)

ممتاز حسین کے خیال میں ادب کی افادیت اور جمالیاتی حظ دونوں ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ ان میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ جمالیات کا تعلق حیات سے اور حسی ادراک سے ہے۔ حسی ادراک ادب میں حقیقت کو شعوری طور پر سمجھنے کی طرف اشارہ ہے۔ ممتاز حسین کے خیال میں تخلیق مادی ہو یا ذہنی وہ دونوں میں حقیقت کو ترجیح دیتے ہیں نہ کہ اس کی ظاہری بناوٹ یا خوبصورتی کو، تخلیق کا تعلق فن لطیفہ سے ہو خواہ ادبی تخلیق سے ہو، وہ ان دونوں میں اصلیت اور صحیح مقصد کی تکمیل کو اجاگر کرنے کے قائل ہیں۔ ان کے خیال میں دنیا کا وہ سارا ادب زندہ رہے گا جس نے انسان کی فطرت کے جبر، انسان کے جبر اور زندگی کے غلط تصورات سے آزاد ہونے میں مدد پہنچائی ہے جس نے انسان کو سماجی زندگی میں اپنے حقوق کو حاصل کرنے کا شعور عطا کیا اور معاشرے کے بورژوا اور پرولتاری طبقہ کے ظلم و ستم کے خلاف انقلابی صورت حال پیدا کی۔ پروفیسر ممتاز حسین، مارکس کے ادبی نظریہ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

> "مارکس نے تمام فنون لطیفہ اور ادب کی تمام اصناف کو، روحانی تخلیقات کا نام دیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام بعض تخلیقات، آرٹ اور شاعری کے حق میں مہلک ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کیوں آرٹ اور شاعری کے حق میں مہلک ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ اس نظام میں تمام انسانی رشتے زر کے رشتوں میں تبدیل ہو گئے ہیں اور شاعری اور آرٹ کا تعلق انسانی رشتوں کی مصوری سے ہے۔ آرٹ اور شاعری سے سرمایہ دارانہ نظام کی مخاصمیت کا دوسرا فیکٹر یہ ہے کہ اس نظام میں ہر چیز، ناپ تول کی

ہے، تاکہ اس کا تبادلہ زر سے کیا جاسکے، چناں چہ مارکس یہ لکھتا ہے کہ آج کا جوہری جواہرات کو جواہرات کی حیثیت سے، ان کی چمک دمک اور ڈلک کے پہلو سے نہیں دیکھتا ہے بلکہ اس کی نسبت سے دیکھا ہے کہ اسے کس قیمت پر خریدا یا بیچا جاسکتا ہے اور یہی بات اس نے فن اور ادب کی نسبت سے بھی لکھی ہے کہ فنون اور ادب نے فنی یا ادبی تخلیقات سے محظوظ ہونے کا جو مذاق پیدا کیا ہے، وہ اس سے زیادہ اہم ہے کہ اس کی یعنی استعمالی قدر کیا ہے۔"(۱۲)

ممتاز حسین نے متذکرہ بالا اقتباس میں مارکس کے مارکسی نظریہ کی وضاحت سرمایہ دارانہ نظام اور ادب و فن پر اس کے اثرات کو واضح کیا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام آرٹ اور شاعری کے لیے مظہر ہے۔ اس نے معاشرتی زندگی میں غلامی، محکومی، ظلم و ستم اور بربریت کو فروغ دیا ہے۔ جس کا اثر ادب پر بھی پڑا ہے کیوں کہ ادب کا تعلق زندگی سے اور زندگی کا تعلق ادب کے ساتھ مربوط ہے۔ مارکس نے فنون و ادب کے استعمالی تصور سے آزاد کرایا اور اس کی روحانی تخلیقاتی حیثیت کو اجاگر کیا۔ ادب کوئی مادی پیداوار نہیں ہے اور نہ اس کا تعلق ناپ تول کی کمیت سے ہے بلکہ وہ ایک روحانی تخلیق ہے اور انقلابی اسپرٹ کی تخلیق ہے۔ اس کی پرواز زمین سے آسمان کی طرف ہے۔ اس کا کام صرف معروضی دنیا کے تضادات کو پیش کرنا نہیں ہے بلکہ ایک نئی دنیا کی تخلیق کا بھی ہے۔ پروفیسر ممتاز حسین لکھتے ہیں:

"ایک شاعر اور ادیب ہمیشہ موجودہ حقیقت کو حسین تر اور پرمایہ حقیقت یا زندگی میں تبدیل کرنے کا خواب اپنے تخیل میں دیکھتا ہے، اس عمل میں اس کا جمالیاتی ادراک، اس کے تعقلاتی ادراک سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے جس طرح کہ تخیل کی دنیا میں موضوع اپنے معروض سے متحد ہو جاتا ہے۔ اس کا تخیل حقیقت کو اس طرح ایک نئی صورت دیتا ہے جس طرح الکیمی کا کوئی عنصر، تانبے کو سونے میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اس عمل میں جو چیز بدلی جاتی ہے، وہ معروضی حقیقت ہی ہوتی ہے لیکن تخلیقی صورت اختیار کرنے کے بعد اس کی وہ صورت نہیں رہتی ہے۔"(۱۳)

ممتاز حسین کے خیال میں مارکسی نقطہ نظر رکھنے والے کارل مارکس کے یہاں صرف اقتصادی اور اشتراکی فکر کا عنصر ہی واضح نہیں ہے بلکہ وہ فنون و ادب میں جمالیاتی نقطہ نظر بھی رکھتے ہیں اور ادب کو جمالیاتی طور پر بھی دیکھتے ہیں۔ ممتاز حسین نے "مارکسی جمالیات" کے مقالہ میں مارکسی مکتب فکر کے جمالیاتی فکر کی وضاحت بڑے عمدہ انداز میں کی ہے۔ شاعر یا ادیب کو ہمیشہ حقیقت کو حسین ترین انداز میں پیش کرنا چاہیے۔ جمالیاتی ادراک اور تعقلاتی ادراک میں باہمی ربط قائم ہو، یعنی ادب و فن میں جہاں حسن پیدا کیا گیا ہے وہاں اس میں انسانی شعور کو اجاگر کرنے کے پہلو بھی رونما ہونے چاہیے۔ مارکسی جمالیات ادب میں معروضی حقیقت کی قائل ہے۔

کارل مارکس یونانی ڈراموں کو پسند کرتا ہے ان کے علاوہ بالزاک کے ناولوں، شیکسپیئر کے ڈراموں، ڈکنس، تھیکرے اور فیلڈنگ کے تاریخی اور سماجی ناولوں کو بھی پسند کرتا ہے۔ کیوں کہ ان ادیبوں نے اپنے زمانے کی سماجی زندگی کو بڑے ٹھوس انداز میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے زندگی کے پہلوؤں کو بڑے عمیق انداز میں محسوس کیا ہے اور حقیقت نگاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ مارکس کے فلسفے پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ اقتصادی جبریت کا فلسفہ ہے جب کہ ایسی بات نہیں ہے۔ مارکس اور اینگلز نے زندگی کو متغیر کرنے والے عوامل میں تنہا اقتصادی قوتیں شامل نہیں ہیں بلکہ شعوری تحریکات بھی شریک کار ہیں۔ پروفیسر ممتاز حسین لکھتے ہیں:

> " فنکار حقیقت کا ادراک بنیادی حیثیت سے حسیاتی تخیلی سطح پر پیش کرتا ہے۔ اس لیے اس کی تخلیق شخصی تجربی طریق کار کی حامل ہوتی ہے، وہ خصوص میں عموم کا جلوہ پیش کرتا ہے، وہ اپنے شخصی طرز اظہار کو برقرار رکھتا ہے، چوں کہ وہ اس کے اپنے تجربے اور مشاہدے سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے وہ تخلیق اپنی ایک انفرادیت یا یکتائیت رکھتی ہے، وہ مشینی پیداوار کی طرح یکسانیت نہیں رکھتی ہے اسی لیے اسے پیداوار نہیں بلکہ تخلیق کہتے ہیں۔"(۱۴)

ممتاز حسین نے مذکورہ اقتباس میں فن کار اور اس کی ادبی تخلیق کے بارے میں وضاحت پیش کی ہے کہ فن کار اپنے حسیاتی تخیل کی روشنی میں حقیقت کا ادراک اپنی تخلیقات میں پیش کرتا ہے۔ اور اس کی تخلیق میں اس عہد کے تجربے اور مشاہدات کارفرما ہوتے ہیں جس دور میں ادبی تخلیق کو پیش کیا گیا ہے۔ فن کار کی تخلیق میں اس کی شخصیت، سماج کی حالت اور تاریخ کا پہلو اجاگر ہوتا ہے جو اس کے تخلیقی کاوش کی انفرادیت اور یکتائیت کو اجاگر کرتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ممتاز حسین، پروفیسر، نقد حیات، الہ آباد: الہ آباد پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۰ء، ص:۱۸

۲۔ ایضاً، ص:۳۷

۳۔ ممتاز حسین، پروفیسر، مارکسی جمالیات، کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۲ء، ص:۱۸

۴۔ ممتاز حسین، پروفیسر، نئے تنقیدی گوشے، دلی: آزاد کتاب گھر کلاں محل، ۱۹۶۴ء، ص:۸

۵۔ ایضاً، ص:۳۲

۶۔ ایضاً، ص:۵۶

۷۔ ممتاز حسین، پروفیسر، نقد حرف، کراچی: مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۵ء، ص:۱۱۷

۸۔ ایضاً، ص:۱۲۳

۹۔ ایضاً، ص:۱۴۴

۱۰۔ ممتاز حسین، پروفیسر، مارکسی جمالیات، کراچی: اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، ۲۰۱۲ء، ص:۹

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ایضاً، ص:۴۱۔۴۲

۱۳۔ ایضاً، ص:۴۲

۱۴۔ ایضاً، ص:۵۶